

بسم الله الرحمن الرحيم

نظرات

دنیا ابھی تک دو ہلاکوں میں منقسم تصور ہوتی رہی ہے ۔ یہ دونوں ہلاک عصر حاضر کی دو با اثر اور عظیم طاقتیں سمجھی جاتی ہیں۔ امریکہ اور روس ان ہلاکوں میں مرکزی حیثیت رکھتے ہیں ۔ بہت سے سالک ان کے حلیف ہیں ۔ اور جو حلیف نہیں ہیں وہ بھی مجبور ہیں کہ ایک یا دوسرے ہلاک کے ساتھ اپنے آپ کو وابستہ رکھیں ۔ موجودہ دور کی مسلم ریاستیں بھی خواہی خواہی اسی حکمت عملی کو اختیار کئے ہوئے ہیں ۔ لیکن یہ صورت حال اسی وقت تک قائم رہ سکتی ہے جب تک کہ است مسلمہ کی خودی بیدار نہیں ہوتی۔ نیند کے ماتے کروٹیں بدلنے لگے ہیں ۔ دنیا کے مسلمانوں میں اپنے تشخص کا شعور آہستہ آہستہ پروان چڑھ رہا ہے ۔ اقوام غالب کی جادوگری اگرچہ انہیں سلائے رکھنے کے لئے سخت کوشی کے ساتھ سرگرم عمل ہے ۔ ترغیب و ترہیب کے دو طرفہ ہتھکنڈے استعمال کر کے اور طرح طرح کے پیچیدہ سائل میں انہیں الجھا کر کوشش اس امر کی کی جاتی ہے کہ ان کا بکھرا ہوا شیرازہ یکجا نہ ہو سکے ۔ لیکن ایک عرصہ کی ذلت و نکبت کے بعد مشیت ایزدی بھی شاید اس کی مقتضی نظر آتی ہے کہ یہ است دوبارہ دنیا کی اسات سے سرفراز ہو۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ وقت کی پیشانی پر لکھے ہوئے اس اشارے کو پڑھ کر مسلمان میدان عمل میں کوہ پڑیں ۔ اور خالص دین کی اساس پر اپنی تنظیم کریں ۔ اللہ تعالیٰ کی رضا جوئی اور اسوۂ رسول کی اتباع کو اپنا مقصد حیات قرار دیں ۔ خلق خدا موجودہ دور کے ان دو ہلاکوں اور ان کے نظاموں سے ناخوشی و بیزار ہو چکی ہے اس لئے کہ یہ نظام انسانیت

کی حقیقی صلاح و فلاح سے یکسر خالی ہیں کیونکہ ان کی بنیاد جن انکار و نظریات پر ہے ان میں سرے سے اس کی گنجائش ہی نہیں۔

دلیا ایک ایسے نظام ایک ایسے معاشرے کی ستلاشی ہے جو انسانیت کے لئے سچی خوشی، حقیقی امن اور پائیدار خوشحالی کا ضامن ہو۔ یہ معاشرہ اسلام اور صرف اسلام سپہا کر سکتا ہے۔ اور اس معاشرے کو قائم کر کے دنیا کے سامنے مثال پیش کرنے کی ذمہ داری سب سے پہلے آج کے مسلمانوں پر عائد ہوتی ہے۔ اس میں مسلمانوں کے اپنے دکھوں کا مداوا بھی ہے اور عام انسانوں کے مصائب کا علاج بھی۔

سبق پھر پڑھ صداقت کا عدالت کا شجاعت کا
لیا جائے گا تجھ سے کام دنیا کی اسات کا



رویتِ ہلال کی ضرورت

عبد القدوس ہاشمی

قمری مہینوں کے لئے ابتداء کی تعیین کا مسئلہ ایک مدت سے موضوع بحث بنا ہوا ہے۔ رمضان شریف کی ابتداء، عید الفطر کے دن کی تعیین، اور حج کی تاریخ کا معین کرنا ایک مسئلہ ہے جس پر بڑی مدت سے بحث ہو رہی ہے۔ بعض لوگ یہ چاہتے ہیں کہ اس کو اسی طرح قائم رکھا جائے جیسے عہد رسالت سے اب تک قائم ہے۔ اور بعض یہ چاہتے ہیں کہ اس کے لئے ایک دواسی کلینڈر شمسی مہینوں کی طرح بنالیا جائے۔ اس طرح ایک ہی وقت میں ہر جگہ رمضان شروع ہوگا۔ ایک ہی دن سب جگہ عید ہوا کرے گی، اور یہ بات ختم ہو جائے گی کہ مختلف ملکوں بلکہ مختلف شہروں یا ایک ہی شہر کے مختلف حصوں میں رمضان کی ابتداء مختلف دنوں میں ہو، اور عید کی نماز مختلف دنوں میں ادا کی جائے۔

یہ مسئلہ کوئی نیا مسئلہ نہیں ہے بلکہ بڑا قدیم مسئلہ ہے، تیسری صدی ہجری سے اس کی بار بار کوششیں ہوتی رہی ہیں، اور قوت و سلطنت کے بل بوتے پر فاطمی خلفائے مصر نے ایک ایسا کلینڈر بنا بھی لیا تھا جو اب تک ان لوگوں میں جاری ہے جو ان خلفاء کو مذہبی پیشوا اور اللہ تعالیٰ کے مقرر کردہ امام کا درجہ دیتے ہیں۔ سائنس اور فلکیات میں علم السالی کی جدید ترہاں بہت ہی قابل قدر ہیں۔ اور یقیناً بہت سی باتیں جو اب ہمیں معلوم ہیں پہلے معلوم نہ تھیں، لیکن اس سے یہ قیاس کر لینا صحیح نہیں ہے کہ منازل قمر اور چاند کی زمین کے گرد گردش بھی آج معلوم ہوئی ہیں۔ چاند کی زمین کے گرد گردش اور منازل قمر کے حسابات ہجری تاریخ کی تعیین

ہے ہزاروں سال پہلے بابل تمدن کے زمانہ ہی میں انسانوں نے معلوم کر لئے تھے اور بالکل صحیح طور پر حساب لگایا گیا تھا کہ چاند کب شروع ہوتا ہے، کب دکھائی دیتا ہے اور کب محاق میں آکر ناقابل دید ہو جاتا ہے۔ ہندوستانی ماہر فلکیات نے بھی بابل کے بعد اس پر قابل قدر کام کیا تھا۔ اور پیدائش قمر، ظہور قمر، نچوتر، محاق وغیرہ کا صحیح حساب لگا لیا تھا۔ قرآن مجید کے نزول (تقریباً ۶۱۰-۶۳۲ء) سے ہزاروں ہی سال پہلے سے انسانی علم پیدائش قمر، ظہور قمر (چندریان دوچ) اور منازل قمر وغیرہ کی تعیین کر چکا تھا۔ قرآن مجید میں بھی منازل قمر کا ذکر سورہ بولس کی بالجوہر آیت میں موجود ہے۔ عہد صحابہ کے مسلمان بھی اس سے بالکل ناواقف نہ تھے۔ اس کا ثبوت بھی قرآن مجید کی متعدد آیتوں سے مل جاتا ہے۔ اور جاہلی اشعار و ضرب الامثال سے بھی اس کا پتہ لگتا ہے۔

غرض یہ کہ اب تک جو یہ مسئلہ حل نہیں ہو سکا تو اس کی وجہ چاند کے طلوع و غروب سے متعلق انسانی علم کا فقدان نہ تھا۔ آج کے اتنا نہ سہی، لیکن اس قدر علم انسان کو حاصل ہو چکا تھا کہ وہ حساب کے ذریعہ اس کی تعیین کر سکتا تھا اور مسلمان ماہرین نے عملاً مختلف اوقات میں اس کے لئے زمین بنائیں بھی۔ مگر رمضان و عید کے لئے ان کو عام طور پر قبول نہ کیا جاسکا۔ اس کے اسباب بالکل دوسرے ہیں، ہم اس جگہ ان میں سے چند وجوہ و اسباب کا مختصر ذکر کرتے ہیں۔

(۱) کیا یہ ضروری ہے یا کم از کم یہ کوئی بڑا ہی اہم اور مفید کام ہوگا کہ ساری دنیا میں رمضان ایک ہی وقت میں شروع کیا جائے اور عید الفطر ایک ہی وقت میں ہوا کرے؟

اس سوال کے جواب میں ہمیشہ یہ کہا گیا ہے۔ اور آج بھی کہیں کہیں جانتا ہے کہ یہ عظیم طغیان خدا کا ہاں دیا ہے۔ نہ یہ ممکن ہے اور نہ

اس سے کوئی بھر معمول لائد حاصل ہوگا۔ رمضان کے روزے اور عید الفطر کی نماز عبادت ہے اور عبادت میں وقت کی تعین مقامی طلوع و غروب کے مطابق ہوتی ہے۔ نہ مسلمانوں کے لئے یہ ممکن ہے اور نہ عیسائیوں اور دوسرے مذاہب والوں کے لئے۔ نہ قمری کالندر سے یہ ہوسکتا ہے اور نہ شمسی کالندر سے۔ طلوع و غروب کا فرق مختلف مقامات کے مابین بالکل واضح اور ضررناحی ہے۔ مکہ مکرمہ مارے مسلمانوں کا مرکزی شہر ہے۔ لیکن جس وقت وہاں صبح کی نماز ہوتی ہے، اس وقت جاکرتا (انڈولیشیا) کے مسلمان صبح کی نماز نہیں پڑھ سکتے کیوں کہ جاکرتا میں اس وقت آفتاب کافی بلند ہو چکا ہے۔ اور سان فرانسسکو کے مسلمان تو شاید عشا کی نماز سے بھی فارغ نہ ہو چکے ہوں گے۔ اور تو اور مسلمانوں کے دو مقدس ترین شہر مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ میں جو صرف ۲۴ میل کے فاصلہ پر واقع ہیں صبح کی اذان ایک ہی وقت میں نہیں ہوتی اور نہیں ہوسکتی۔

اسی طرح عیسائیوں کی مذہبی تقریب عشاء ربانی جس وقت شہر کینبرا میں منعقد ہوتی ہے، اسی وقت لندن یا ڈہلی میں نہیں ہوتی اور نہ ہوسکتی ہے۔ کیپ ٹاؤن کے عیسائی جس وقت کرسمس کی عبادت کے لئے گرجاؤں میں جمع ہوتے ہیں، سان فرانسسکو یا وینزولا کے عیسائی نہیں جمع ہوتے اور نہیں ہوسکتے۔ کسی نقشہ عالم میں دیکھ لیجئے، ۱۸۰ درجہ کے خط فرض البلد سے ایک طرف اتوار اور دوسری طرف پیر (سوموار) لکھا ہوا دکھائی دیتا ہے۔ طلوع و غروب کے فرق سے دو مقامات کے اوقات میں بارہ گھنٹے تک اختلاف ہوجاتا ہے۔

بالکل یہی حال دوسری قوموں کی عبادت کا ہے۔ بنارس کا ایک ہندو جس وقت شکرکات کا اوباس شروع کرتا ہے، لندن کا کیپ ٹاؤن میں رہنے والا

ہندو ٹھیک اسی وقت اویس نہیں شروع کر سکتا۔

یہودی تو بہت ہی سخت تنظیم رکھنے والی قوم ہے اور حساب کتاب میں بھی اس کا درجہ بہت بلند ہے، لیکن اس کے باوجود یہ کبھی نہیں ہوتا اور نہ ایسا ہونا ممکن ہے کہ صوم کبور کی ابتداء ہل سنگی کا یہودی تل ایس کے وقت کے مطابق کر سکے، کیوں کہ مطالع کا فرق اس کی اجازت نہیں دیتا۔ نہ صومعات میں عبادتیں ایک وقت میں ہوتی ہیں اور نہ صوم کبور اور فسیح ایک ہی وقت میں ہوتا ہے۔

دلیا کی اس صورت حال پر غور کرنے کے بعد سوچئے کہ ہماری یہ تمنا کہ ہماری نمازیں سب جگہ ایک ہی وقت میں ہوں اور ہمارے روزے سب جگہ ایک ہی وقت میں شروع ہو جائیں۔ کیسی معصوم طفلانہ تمنا نظر آتی ہے۔ اس تمنا کو کیا نام دیا جائے؟

اب ذرا ایک دوسری طرح غور کیجئے، کیا ساری دنیا کے مسلمانوں کو رمضان و عید کے لئے ایک ہی کلینڈر دے کر بلکہ ایک ہی نظام اوقات دے کر اور مطالع کے اختلافات کو نظر انداز کر کے ہم کوئی بڑی مفید خدمت انجام دیں گے اور کسی بہت ہی ضرر نقص کی تکمیل کر دیں گے؟

رمضان کے روزے ۲ ہجری میں فرض ہوئے تھے اور پہلی نماز عید ۲ ہجری میں بمقام مدینہ منورہ کے ایک میدان میں ادا کی گئی تھی چند سال تک تو مسلمان صرف مدینہ منورہ ہی میں تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم چاند کے ظہور حسی کے بموجب رمضان و عید کیا کرتے تھے، اس کے بعد عرب کے متعدد قبائل مسلمان ہو گئے۔ اور وہ سب اپنی اپنی جگہ ہر مقامی مطلع کے بموجب چاند دیکھ کر رمضان اور عید کیا کرتے تھے۔ اور ان میں اختلاف بھی ہو جاتا تھا۔ کہیں رمضان یکشنبہ کو شروع ہوتا اور کہیں دو شنبہ کو، کہیں عید نہ شنبہ ہوتی، اور کہیں دو شنبہ کو۔ اس زمانہ میں

اب تک ہم ۱۳۹۲ رمضان اور عید کر چکے ہیں اور یہی سادہ سا طریقہ چاند دیکھ کر روزے شروع کرنے کا اور چاند دیکھ کر عید کرنے کا رائج رہا ہے۔ کوئی بتا سکتا ہے کہ اس کی وجہ سے تفریق کلمۃ المسلمین یا اور کوئی مضر اثرات پیدا ہوئے ہیں۔ آخر وہ کولسا مضر تر رساں نقص ہے جس کی تکمیل کے لئے یہ بے تابی اور جگر کاوی ہو رہی ہے۔ خود عہد رسالت میں ۱۰ھ میں مدینہ منورہ اور مکہ مکرمہ میں ذوالقعدہ اور ذی الحجۃ کے چاند میں اختلاف رویت ہو گیا۔ جس کے نتیجہ میں حجۃ الوداع میں قیام عرفہ جمعہ کے دن واقع ہوا حالانکہ مدینہ میں ذی الحجۃ شنبہ کے دن تھا۔ آخر اس سے خرابی کیا واقع ہوئی؟

حج ایک ایسی عبادت ہے جس کا تمام تر تعلق مکہ مکرمہ اور اس کے قریب واقعہ ہونے والے منی، مزدلفہ اور عرفات سے ہے، اس میں مکہ کے مقامی مطلع کو معتبر سمجھا گیا۔ اور ہمیشہ اس کے لئے مکہ کا مقامی طلوع و غروب ہی معتبر سمجھا جاتا رہا ہے۔ عقلاً و عملاً ایسا ہی ہونا چاہئے اور یہی ہوا۔ اب آج اگر کوئی یہ کہے کہ طنجہ میں صبح ہوتی ہی نہیں جب حاجی عرفات میں پہنچ جاتے ہیں اور مراکش میں غروب آفتاب کو گھنٹوں باقی ہوتا ہے جب حاجی عرفات سے روانہ ہو کر مزدلفہ کی طرف چل پڑتے ہیں، اس لئے کسی حاجی کا حج صحیح نہیں ہوتا تو اس آدمی کی عقل و دانش کو کیا کہیں گے؟ یا کوئی یہ سوچے کہ جب حاجی عرفات میں پہنچتے ہیں اس وقت اندونیشیا کے جزیرہ تیمور میں لہ صرف زوال آفتاب ہو چکا ہے بلکہ ظہر کا وقت بھی ختم کے قریب ہوتا ہے۔ اور عرفات میں جب ظہر کی نماز ہوتی ہے اس وقت شنگھائی میں رات ہوتی ہے۔ اس وجہ سے امت اسلامیہ کی یکجہتی اور اتفاق میں خرابی پیدا ہونے کا اندیشہ ہے تو اس دانشور کی دانشوری پر ماتم کرنے کے سوا کوئی اور کیا کر سکتا ہے؟ یہ کسی دانشوری اور جلدت پسندی ہے کہ ایک عہد قائمہ اور بعض